رؤیتِ ہلال میں امت کا اختلاف کی وجہ-فقہ حنفی کی روشنی میں ایک مطالعہ

The reason for difference of the Muslims of world in seeing *Hilal*- A study in the light of *Hanafi* Jurisprudence

Haroon ur Rashid
Lecturer Department of Islamic Studies,
University of Malakand
haroonk88@gmail.com
Aziz Ahmad
Lecturer Department of Islamic Studies,
University of Malakand
azizroomi@gmail.com

ABSTRACT

The main reason for difference of the Muslims *Ummah* in seeing *Hilal* (New moon) is on giving and not giving weightage to the place of rise of moon by law, there has been a difference of opinion among all the Jurists, although the trusted view in *Hanafi* jurisprudence is not giving weight by sharia law as mentioned by *Allama Shami* and it is declared as credible statement of *Hanafi*, but a good enough number of *Ahnaf* gave weight to the place of rise of moon, practically all people are on it nowadays, this article reviews these two views of *Hanafi* jurists. And there is an attempt to make it clear that this disagreement in *Eid* and Ramadan is in accordance with the *Shariah* law.

Keywords: *Hilal*, Difference, Ramadan, *Eid*, *Shariah*

دنیا میں بہت سے ماہ و سال رائج ہیں انہیں میں سے شمسی عیسوی ماہ و سال اور ہجری قمری ماہ و سال بھی ہے، مگر مسلمانوں کی زندگی میں قمری ماہ و سال کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لئے کہ وہ آسان اور فطری ہے اور اس میں انسانی نفسیات کی رعایت زیادہ ہے۔ چونکہ قمری ماہ و سال کا نظام رؤیت ہلال پر موقوف ہے اس لئے اس کی اہمیت بھی سورج کی طرح واضح ہے۔ بہرحال شریعت نے قمری ماہ و سال کو اپنا کر بڑی عظیم حکمت عملی اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے، اس لئے تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ عبادات اور دوسرے معاملاتِ زندگی میں قمری ماہ و سال کو اختیار کریں اور اسی کا اعتبار کریں لیکن ہلال کا طلوع دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف اوقات میں ہوتا ہے اس کو اختلافِ مطالع کا نام دیا گیا ہے۔ اختلافِ مطالع کے اعتبار کا مسئلہ فقہائے امت کے مابین قدیم زمانے سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ ائمہ اربعہ میں بھی اس حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر مذاہبِ اربعہ میں سے ہر مذہب کے فقہاء کا آپس میں بھی اختلافِ رائے موجود ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اس اختلاف کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: "اس مسئلے میں فقہاء امت صحابہ و تابعین اور بعد کے علماء کے تین مسلک ہو گئے:

1۔ اختلافِ مطالع کا ہر جگہ ہر حال میں اعتبار کیا جائے۔

2۔ کسی جگہ کسی حال میں اعتبار نہ کیا جائے۔

3۔ بلاد بعیدہ میں اعتبار کیا جائے اور قریبہ میں نہ کیا جائے۔

اور عجیب اتفاق ہے کہ یہ تینوں طرح کا اختلاف فقہائے امت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چاروں فقہ کے فقہاء میں موجود ہے۔ فرق صرف قلت اور کثرت کا ہے[(1)]۔

آئندہ سطور میں فقہائے احناف کے اقوال کی روشنی میں اِس مسئلے کا سرسری جائزہ لینے کی کوشش کریں گے، اور یہ بات پیشِ نظر رہے کہ واقعاتی اور مشاہداتی طور پر اختلافِ مطالع کا پایا جانا سب کے ہاں مسلم ہے۔ جو حضرات اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے، وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، البتہ وہ بعض شرعی احکام کی حد تک مطالع کو معتبر نہیں مانتے۔ کیونکہ واقعاتی اور مشاہداتی طور پر اختلافِ مطالع کا انکار ایک بدیہی امر کا جھٹلانا ہو گا، جس کا ان بالغ النظر اور حقیقت پسند افراد کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ شامی رحمہ اللہ رد المحتار میں تصریح فرماتے ہیں: ''اعلم أن نفس اختلاف المطالع لانزاع فیه بمعنی انه قدیکون بین البلدتین بعد بحیث یطلع الھلال له لیلة کذا فی إحدی البلدتین دون الاخری وکذامطالع الشمس''[(2)]۔ "واضح رہے کہ نفسِ اختلافِ مطالع میں کوئی جھگڑا نہیں، یعنی اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ کبھی دو شہروں کے درمیان

اتنی دوری ہوتی ہے کہ اُن میں سے ایک شہر کے اندر چاند طلوع ہو جاتا ہے، جبکہ دوسری جگہ ابھی طلوع نہیں ہوتا۔ یہی حال سورج کے مطالع کا بھی ہے۔" مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ "اوجز المسالک" میں تحریر فرماتے ہیں: "ولیس المعنیٰ أنهم لایقولون باختلاف المطالع بل المعنیٰ نعم لایعتبروه فی باب الصوم"[3]۔"اختلاف مطالع کے غیر معتبر ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ فقہائے کرام مشاہداتی طور پر اختلافِ مطالع کے قائل ہی نہیں بلکہ وہ اختلافِ مطالع کو صوم کے باب میں معتبر نہیں مانتے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح نمازوں کے اوقات جگہوں کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں، اسی طرح چاند کا سورج کی شعاؤں سے جدا ہو کر نظر آنا بھی جگہوں کے بدلنے سے تبدیل ہوتا ہے۔ مثلاً جس وقت مشرق میں سورج کا زوال ہو رہا ہو اس وقت مغرب میں قطعاً زوال شمس کا وقت نہیں ہوگا۔ اسی طرح طلوع شمس اور غروب شمس بھی جگہوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے، بلکہ سورج کی کوئی بھی حرکت ایک ہی وقت میں ایک قوم کو طلوعِ فجر کی نوید سناتی ہے تو دوسری قوم کو طلوعِ آفتاب کا خوشخبری سناتی ہے۔ کسی کے لیے یہ حرکت نصف النہار کی آمد آمد ہوتی ہے، تو کسی کے لیے یہ حرکت نصف شبِ تار ثابت ہوتی ہے۔ علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم"[4]. علامہ زیلعی کی مذکورہ بات کو علامہ طحطاویؒ[5] اور علامہ شامیؒ[6] نے بھی نقل فرمایا ہے۔

اختلاف مطالع کا معتبر ہونا

تمہیدی معروضات کے بعد جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے، تو مسلکِ حنفی کے تقریباً ہر معتد بہ کتاب میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اس مسئلے میں حنفیہ کا مشہور مسلک تو یہی ہے کہ اختلافِ مطالع معتبر نہیں، یعنی ایک جگہ کی رؤیت تمام روئے زمین کے لیے کافی ہوگی، بشرطیکہ رؤیت کا ثبوت شرعی طریقہ پر ہو جائے۔ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے والے نامور علماء احناف علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: " واختلاف المطالع ورؤيته نهاراً قبل الزوال وبعده غيرمعتبرعلى ظاهرالمذهب وعليه أكثر المشايخ وعليه الفتوى بحرعن الخلاصة فيلزم أهل المشرق برؤية اهل المغرب إذاثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب كمامر"[7]. اسی طرح علامہ شیخ زادہؒ رقم طراز ہیں: "لااعتبار باختلاف المطالع حتى قالوا لو رآى اهل المغرب هلال رمضان

يجب رؤيتهم على أهل المشرق اذاثبت عندهم بطريق موجب -- وهوالمذهب وظاهرالرواية وعليه الفتوى كمافى أكثرالمعتبرات"[8].

اختلاف مطالع کا اعتبار کرنے والے علماء احناف

بعض محققین حنفیہ نے دور دراز ملکوں اور شہروں میں اختلافِ مطالع کو معتبر ماناہے، جیسا کہ یہ شافعیہ کا قولِ صحیح اور بعض مالکیہ کا بھی مسلک ہے۔ ہم اس رائے کے ہمنوا حضرات کا بھی کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں، تاکہ واضح ہوسکے کہ اگرچہ عند الاحناف مفتٰی بہ قول عدمِ اختلافِ مطالع کا ہے۔ لیکن احناف میں متعدد محققین حنفیہ نے اعتبار کا بھی قول کیاہے۔ لہذا اس مسئلہ میں افراط و تفریط سے کام لینا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ ان محققین حنفیہ میں علامہ زیلعیؒ علامہ کاسانیؒ کا نام سرِفہرست ہے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ "بدائع" میں راقم ہیں: "هذا إذاكانت المسافة بين البلدتين قريبة لاتختلف فيها المطالع فأما إذاكانت بعيدة فلايلزم أحد البلدين حكم الآخرلأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلدٍ مطالع بلدهم دون البلد الآخر"[9]. "یہ حکم اُس وقت ہے کہ جب دو شہروں کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ نہ ہو جس سے مطلع بدل جاتاہو۔ اگر دو شہروں میں فاصلہ زیادہ ہو تو وہاں ایک شہر کا حکم دوسرے کو لازم نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ طویل مسافت پر شہروں کے مطالع بدل جاتے ہیں، لہذا ہر جگہ اسی مقام کا مطلع معتبر ہوگا، دوسری جگہ کا نہیں۔" اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" والأشبه ان يعتبر لان كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما ان دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطارحتى اذازالت الشمس فى المشرق لايلزم منه ان تزول فى المغرب وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم، وروى أباموسى الضريرالفقيه صاحب المختصر قدم الاسكندرية فسئل عمن صعد على منارة الاسكندرية فيرى الشمس بزمان طويل بعد ما غربت عندهم فى البلد ايحل له ان يفطر؟ فقال لا ويحل لاهل البلد، لأن كلا مخاطب بماعنده والدليل على اعتبار المطالع ماروى عن كريب أن ام الفضل بعثته الى معاوية بالشام فقال فقدمت الشام وقضيت حاجتها واستهل على شهر رمضان وانا بالشام فرايت الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة فى آخرالشهر فسالنى عبد الله بن عباس ثم ذكرالهلال فقال متى

رايتم الهلال؟ فقلت رايناه ليلة الجمعة فقال انت رايته؟ فقلت نعم ورآه الناس وصاموا وصام معاوية فقال لكنا رايناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين أونراه فقلت أو لا نكتفى برؤية معاوية وصيامه فقال لا هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم"[10]. " یہ بات زیادہ مشابہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے، کیوں کہ ہر قوم اسی حکم کی مخاطب ہوتی ہے، جس کا سبب اُن کے ہاں متحقق ہو اور ہلال کا سورج کی شعاع سے انفصال جگہوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، جیسا کہ نماز کے وقت کا معاملہ ہے کہ جگہ کے بدلنے سے وقت کی آمد ورفت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مشرق میں سورج ڈوب جائے تو مغرب میں اس وقت سورج کا ڈوبنا ضروری نہیں ہوتا، یہی حال طلوعِ فجر اور غروبِ آفتاب کا ہے، بلکہ ایک حقیقت یہ ہے کہ سورج جب بھی ایک درجہ حرکت کرتا ہے، تو یہ کسی خطہ کے لیے طلوعِ فجر اور کسی کے لیے طلوعِ شمس کی نوید ہوتی ہے یعنی کہیں صبح صادق کا وقت ہوتا ہے اور عین اسی وقت دوسری جگہ سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ کہیں سورج غروب ہو رہا ہوتا ہے اور کہیں آدھی رات کا سماں ہوتا ہے۔ فقیہ ابو موسیٰ سے منقول ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص منارہ پر چڑھا ہوا ہے اور سورج اس کو نظر آرہا ہے، حالانکہ نیچے سورج غروب ہو چکا ہے، تو کیا اوپر والے شخص کو افطار کرنا جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ شہر کے لوگوں کے لیے (جو نیچے ہیں) افطار جائز ہے، لیکن منارہ پر موجود شخص کے لیے نہیں، کیونکہ ہر ایک اپنے حسبِ حال حکم کا مخاطب ہے۔ اس باب میں اصل دلیل حدیث کریب ہے کہ ام الفضل بنت الحارثؓ نے انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملک شام بھیجا۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں شام پہنچا اور ام الفضل کے کام سے فارغ ہوا، تو ابھی وہی تھا کہ رمضان کا چاند ہو گیا۔ میں نے جمعہ کی شب خود چاند دیکھا۔ پھر مہینہ کے آخر میں مدینہ طیبہ آیا، تو حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے حال احوال پوچھتے ہوئے چاند کا ذکر کیا۔ میں نے اُنہیں بتایا کہ ہم نے تو جمعہ کی شب کو دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا جمعہ کی رات آپ نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! میرے علاوہ دیگر بہت سے لوگوں نے بھی دیکھا اور اُن سب نے روزہ رکھا۔ اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا مگر ہم نے تو ہفتہ کی شب کو چاند دیکھا ہے، اس لیے ہم لوگ اس وقت تک روزے رکھیں گے، جب تک تیس پورے نہ ہو جائیں یا چاند دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت اور روزے رکھنے کو کافی نہیں سمجھتے۔ اُنہوں نے فرمایا نہیں۔ ہمیں تو رسول اللہ ﷺ نے یہی حکم فرمایا ہے۔"

اس تفصیلی عبارت پر غور کرنے سے نقلی و عقلی طور پر علامہ زیلعیؒ کے کلام میں وزن محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف امت نے اس کو عملی طور پر اختیار کیا ہوا ہے، بلکہ دیگر بہت سے فقہائے کرام نے بھی اسی قول کو اختیار فرمایا

ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند دیگر فقہائے کرام کا بھی ذکر ہو جائے، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنے میں صرف یہ دو حضرات منفرد نہیں، بلکہ دیگر ممتاز اور نامی گرامی فقہاء بھی اِن کے ہم خیال ہیں۔

مشہور حنفی فقیہ محمد بن فرامرز معروف بمنلاخسرو (التوفی: 885ھ) اپنی مشہور تالیف " درر الحکام شرح غرر الاحکام" میں علامہ زیلعیؒ کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:"أقول يؤيده ما مر في أول كتاب الصلاة أن صلاة العشاء والوتر لا تجب لفاقد وقتهما"[11]. "میں کہتا ہوں اختلافِ مطالع کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو کتاب الصلاۃ کے شروع میں گزر چکا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے مقام پر رہتا ہے جہاں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا، تو ایسے شخص پر عشاء اور وتر کی نماز واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے حق سبب ہی نہیں پایا گیا۔"

اسی طرح ساتویں صدی ہجری کے حنفی فقیہ ابن مودود موصلیؒ (متوفی:683ھ) "فتاویٰ حسامیہ" کے حوالے سے بھی اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے کا قول نقل فرماتے ہیں:" وذكرفى الفتاوى الحسامية اذا صام أهل مصرثلاثين يومًا برؤية وأهل مصر آخر تسعة وعشرين يومًا برؤية فعيلهم قضاء يوم إن كان بين المصرين قرب بحيث تتحد المطالع وإن كانت بعيدة بحيث تختلف لايلزم أحد المصرين حكم الآخر "[12]. "فتاویٰ حسامیہ میں مذکور ہے کہ جب ایک شہر والے رؤیت کی بنیاد پر تیس جبکہ دوسرے شہر والے اُنتیس دن کے روزے رکھیں، تو اس دوسرے شہر والوں پر ایک روزے کی قضاء لازم ہوگی، بشرطیکہ دونوں مقام باہم اتنے قریب ہوں اتنے کہ مطلع نہ بدلے۔ اگر دور ہیں، تب ایک کا حکم دوسرے کو لازم نہ ہوگا۔ موصوف فتاویٰ حسامیہ کی عبارت نقل فرمانے کے بعد اس کی تائید میں ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے آثار بھی نقل فرماتے ہیں اور نہ ہی تو اس پر رد وقدح کرتے ہیں اور نہ ہی عدمِ اعتبار کا قول نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ہاں بھی اختلافِ مطالع معتبر ہے۔" وعن ابن عباس فى مثله لهم مالهم ولنا مالنا- وعن عائشة رضى الله عنها فطركل بلدة يوم يفطر جماعتهم واضحى كل بلدة يوم يضحى جماعتهم"[13]. " حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اُن کے لیے اُن کی رؤیت اور ہمارے لیے ہماری رؤیت ہے۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے ہر شہر کا عید اُس دن ہوگا، جس دن اُس شہر کے اکثر لوگ عید منائے اور عید الاضحیٰ اُس دن ہوگا جس دن وہاں کے لوگ عید الاضحیٰ منائے۔"

اسی طرح ماوراء النہر کے مشہور امام محمود ابن مازہ بخاریؒ صاحبِ " محیط برہانی" (متوفی:616ھ) تحریر فرماتے ہیں:"إذاكان بين البلدتين تفاوتًا لاتختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة

الأخری فإما اذا کان تفاوتًا تختلف المطالع لم یلزم إحدی البلدتین حکم البلدة الأخری"[14]. جب دو شہروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جس سے مطالع نہیں بدلتے، تب ایک شہر کا حکم دوسرے شہر والوں کو لازم ہو گا، البتہ اگر اتنا زیادہ فاصلہ ہو جس سے مطلع بدلے، تب ایک شہر کا حکم دوسرے شہر والوں کو لازم نہ ہو گا۔"

فقیہ ابو حفص عمر بن محمدؒ (متوفی 537ھ) جو "نجم الدین نسفی" کے نام سے جانے جاتے ہیں، وہ بھی اختلاف مطالع کے قائلین میں سے تھے۔ موصوف کا شمار چھٹی صدی ہجری کے کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا ہے۔ صرف "فتاویٰ ہندیہ" میں مختلف مسائل کے ضمن میں قریباً ساٹھ مقامات پر آپ کا ذکر موجود ہے۔ بیشتر مقامات پر تو "الشیخ الإمام الأجل" جیسے بلند پایہ کلمات کے ساتھ آپ کا تذکرہ آیا ہے۔صاحبِ "محیط برہانی" سمرقند میں موصوف کے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ کو نقل فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:"وکأنه مال إلی أن حکم إحدی البلدتین لا یلزم البلدة الأخری"[15]. " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ نجم الدین رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر والوں کو لازم نہیں۔"

اسی طرح علامہ شرنبلالی مصری حنفیؒ (متوفی:1069ھ) اختلافِ مطالع کے اعتبار کرنے کے بابت راقم ہیں:"وقیل یختلف ثبوته باختلاف المطالع واختاره صاحب التجرید وغیره کما إذا زالت الشمس عند قوم وغربت عند غیرهم فالظهر علی الأولین لا المغرب لعدم انعقاد السبب في حقهم"[16]. "اور کہا گیا ہے کہ چاند کا ثبوت مطالع کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔صاحب تجرید وغیرہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، جیسا کہ کسی قوم کے ہاں زوالِ شمس ہو گیا اور کسی اور کے ہاں غروب آفتاب کا وقت ہوا، تو پہلی قوم پر ظہر کی لازم ہو گی نہ کہ مغرب کی، اس لیے کہ اُن کے حق میں مغرب کا سبب ہی نہیں پایا گیا۔"

اسی طرح مفتی ابو سعود طحطاویؒ اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:"واختاره صاحب التجرید وهو الأشبه"[17]. "اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے کا قول صاحبِ تجرید نے اختیار فرمایا ہے اور یہی قول زیادہ قرینِ قیاس ہے۔" صاحبِ "النہر الفائق" اختلافِ مطالع پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"وقیل: یعتبر فلایلزمهم، و هوالأشبه"[18]. "ایک قول کے مطابق اختلافِ مطالع معتبر ہے، لہذا ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ والوں کو لازم نہ ہو گیا ور یہی قول زیادہ قرینِ صواب ہے۔"

اسی طرح نامور محدث وفقیہ ملا علی قاری حنفی (متوفی:1014ھ) نے بھی "شرح النقاية" میں دلیل کے اعتبار سے اسی کو راجح قرار دیا ہیں: "والأشبه من حيث الدليل هو الاعتبار باختلافها كما فى دخول وقت الصلاة لأن السبب شهود فإذا انعقد ت الرؤية في حق قوم لايلزم أن ينعقد في حق غيرهم مع اختلاف المطالع كمالو زالت الشمس أو غربت على قوم دون آخرين يجب الظهر أوالمغرب على الأولين دون أولئك لعدم انعقاد السبب فى حقهم، واختار صاحب التجريد وغيره من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع"[19]. "دلیل کے اعتبار سے زیادہ راجح اختلافِ مطالع کا معتبر ہونا ہے، جیسا کہ اوقاتِ صلاۃ میں معتبر ہے۔ اس لیے کہ صوم کا سبب شہودِ ہلال ہے، لہٰذا اگر ایک قوم کے حق میں رؤیت ثابت ہو جائے تو اختلافِ مطالع کے ہوتے ہوئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری قوم کے حق میں بھی رؤیت متحقق ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی قوم کے ہاں زوالِ شمس یا غروبِ آفتاب ہوا اور دوسری قوم کے ہاں ابھی زوال یا غروب نہیں ہوا، تو پہلی قوم پر ظہر یا مغرب کی نماز واجب ہو جائے گی نہ کہ دوسری قوم پر، اس لیے کہ وہاں ابھی سببِ صلاۃ ہی متحقق نہیں ہوا۔ صاحب التجرید اور دیگر مشائخ نے اختلافِ مطالع کے اعتبار والے قول کو اختیار فرمایا ہے۔

ان قدیم فقہائے کرام کے علاوہ ماضی قریب کے محققین حنفیہ نے بھی اختلافِ مطالع کو معتبر مانا ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں: نامور فقیہ، ہدایہ و وقایہ کے مایہ ناز محشی علامہ عبد الحیی لکھنویؒ بھی رقمطراز ہیں: "عقلاً و نقلاً اصح المذاہب یہ ہے کہ جن شہروں میں ایک مہینہ کی مسافت ہو، اُن میں اختلاف مطالع معتبر ہے اور جن میں اس سے کم فاصلہ ہو، اُن میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں"[20]۔

اسی طرح فخر المتاخرین، محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ "العرف الشذي" میں تحریر فرماتے ہیں: "أقول لابد من تسليم قول الزيلعى والا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين أو الثامن والعشرين أو يوم الحادى والثلاثين أو الثانى والثلاثين فإن هلال بلا دقسطنطنية ربما يتقدم على هلالنا بيومين فإذا صمنا على هلالنا ثم بلغنا رؤية هلال بلاد قسطنطنية يلزم تقديم العيد أويلزم تاخير العيد إذاصام رجل من بلاد قسطنطنية ثم جاءنا قبل العيد"[21]. "میں کہتا ہوں کہ زیلعیؒ کا قول تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ عید 28،27 یا 31، 32 کو ہو جائے۔ اس لیے کہ قسطنطیہ کے شہروں میں چاند کبھی کبھی دو دن قبل نظر آجاتا ہے۔ اس صورت میں جب ہم اپنے یہاں کے اعتبار سے روزہ رکھنا شروع کریں اور بعد

ازاں وہاں سے چاند دیکھنے کی کوئی معتبر خبر ہمارے پاس آجائے، اور ہم اس پر عید کا فیصلہ کریں تو ایک دو دن قبل عید کرنا پڑے گی اور اس طرح وہاں کی رؤیت کے مطابق روزہ رکھ ہمارے پاس آنے والے کو31، 32 روزے رکھنا پڑ جائیں گے، اگر یہاں آکر اس نے ہماری رؤیت کی اتباع کی۔

اسی طرح شارحِ مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "فتح الملہم" میں اختلافِ مطالع کے معتبر ماننے کو ترجیح دی ہے: "ينبغى أن يعتبر اختلافها إن لزم منه التفاوت بين البلدتين بأ كثر من يوم واحد لأن النّصوص مصرحة بكون الشهرر تسعةً وعشرين أ و ثلاثين فلا تُقبل الشهادة ولا يعمل بها فيما دون أقلّ العدد ولافى أزيد من أكثره"(22). "مناسب یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کو وہاں معتبر مانا جائے جہاں تاریخوں میں ایک دن سے زیادہ کا فرق ہوتا ہے، کیونکہ نصوص میں تصریح ہے کہ مہینہ انتیس یا تیس دن کا ہوتا ہے نہ کم نہ زیادہ، لہذا ایسی جگہ کی شہادت پر عمل نہیں کیا جائے گا جس سے مہینہ 29 یا30 دنوں سے کم یا زیادہ ہوتا ہو۔" علامہ عثمانیؒ نے بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے پر جو دلیل دی ہے وہ انتہائی وزنی ہے۔ موصوف کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اگر ایک جگہ کی رؤیت کی بنا پر کسی دوسری جگہ رؤیت کا فیصلہ کرنے سے مہینے کے دنوں کی منصوص تعداد (29،30 دن) میں فرق آتا ہو، تو ایسی صورت میں اس دوسری جگہ رؤیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس سے نصوصِ صحیحہ صریحہ کی خلاف ورزی لازم آئے گی، گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ سعودی عرب سمیت تمام بلادِ بعیدہ میں رؤیت ہو جانے پر یہاں رؤیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہاں اور یہاں کی قمری تاریخوں میں عموماً ایک دو دن کا فرق تو ہوتا ہی ہے، لہذا اگر وہاں کی رؤیت پر پاکستان میں رؤیت کا اعلان کیا جائے، تو مہینہ کبھی اٹھائیس کا اور کبھی ستائیس کا ماننا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ یہ اس صحیح حدیث کی صریح خلاف ورزی ہے: "عن ابن عمر رضي الله عنهماعن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا يعني مرة تسعة وعشرين ومرة ثلاثين"(23)۔" حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ حساب و کتاب سے ناواقف ہیں۔ مہینہ کبھی اُنتیس کا اور کبھی تیس کا ہوتا ہے۔"

نیز جب روزے کا آغاز ستائیس یا اٹھائیس تاریخ سے ہو گا، تو اس حدیث کے بھی خلاف ہو گا: " عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لايتقدمن احدكم رمضان بصوم يومٍ اويومين "(24)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ماہِ رمضان سے ایک دو دن قبل روزہ نہ رکھیں۔ "عن أبي هريرة قال قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تقدموا الشهر بيوم ولا بيومين[25]- آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم ماہِ رمضان ایک، دو دن پہلے نہ شروع کیا کرو، اور اختلافِ مطالع جو ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، اس کی وجہ سے مذکورہ بالا صریح نصوص کی خلاف ورزی کیونکر جائز ہو گی؟

اسی طرح علامہ محمد یوسف بنوریؒ اپنی مایہ ناز شرح ترمذی "معارف السنن" میں اختلافِ مطالع اور وحدتِ رمضان وعیدین پر عمدہ کلام کرنے کے بعد آخر میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں سناتے ہیں: "و على كل حالٍ بلاد الهند واسعة الأرجاء تختلف عرو ضهامن ست عشرة درجةً إلى أربع وثلاثين درجةً والمسافة بينها تبلغ إ لى نحو ألفي ميلٍ، وحقّقُوا وقوع الاختلاف فى المطلع بنحو خمس مائة ميلٍ فكيف يتصور الجهد للتوحيد فى مثله؟ فكلّ ذلك نبوء وبعد عن السهلة السمحة البيضاء نعم! إذا تواردت أخباررادیومتعددة من شتیٰ الجهات ولاتختلف جهات الأ نباء عن البلد الذى لم ير فيها الهلال ببعدٍ يختلف فيه المطلعُ فيسوغ العملُ بهذه الأ نباء المرسلة"[26]. "بہر حال بلادِ ہند وسیع و عریض ہیں۔ اس کا پھیلاؤ سولہ درجہ سے لے کر چونتیس درجہ تک بدلتا رہتا ہے اور درمیانی مسافت دو ہزار میل تک پہنچ جاتی ہے، جبکہ علماء نے پانچ سو میل کی مسافت پر مطلع بدلنے کا قول کیا ہے۔ پس اتنے وسیع و عریض علاقے میں توحید والوں کے لیے کوشش کیسے درست ہو سکتی ہے؟ ایسے تمام کوششیں شریعت اسلامیہ کی سہولت و آسانی سے دوری ہے۔ ہاں اگر مختلف جہات سے ریڈیو کی متعدد خبریں آ جائیں اور جس شہر میں رؤیت نہیں ہوئی وہ رؤیت والی جگہوں سے اتنی دوری پر واقع نہ ہو جس سے مطلع بدل جاتا ہو، تب اِن خبروں پر عمل کی گنجائش ہو گی ورنہ نہیں۔"

چند مشاہیر اربابِ فتویٰ کی آراء

اور علامہ ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ ماہرین فلکیات کا اس کے اختلاف پر اتفاق ہے اور جب مطالع مختلف ہوتے ہیں، تو نقل اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر بلد کا الگ حکم ہو۔ آگے موصوف نے عقل و نقل سے اختلافِ مطالع کو ثابت فرمایا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ اختلاف مطالع پر بحث کرنے کے بعد آخر میں اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں: "ایسے بلادِ بعیدہ میں جہاں مہینہ کے دنوں میں کمی بیشی کا امکان ہو، اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا ہی ناگزیر اور مسلکِ حنفیہ کے عین مطابق ہو گا[27]۔"

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے سابق رئیس دارالافتاء مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی تصحیح کے ساتھ جاری شدہ ایک فتویٰ میں انگلینڈ وغیرہ میں بسنے والوں کو قریب ترین اسلامی ملکوں کے رؤیت پر عمل کرنے کا فتویٰ دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اختلاف مطالع میں بلادِ بعیدہ و قریبہ کے فرق کو ملحوظ رکھتے تھے۔ ذیل کے فتویٰ میں ملاحظہ ہو: " قریب ملک میں چاند دیکھنے سے روزے اور عیدین کیے جاسکتے ہیں، جبکہ شرعی طریقہ کے مطابق ملک میں رؤیت ہلال کا ثبوت ہوجائے[28]۔

حضرت مفتی فرید صاحبؒ سابق رئیس دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بھی یہی رائے ہے، چنانچہ موصوف پاکستان میں مقیم افغان مہاجرین کی طرف سے فارسی میں بھیجے گئے ایک سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: "واضح باد کہ ظاہر الروایت اگرچہ عدم اعتبار اختلافِ مطالع است، لیکن مراد ازیں عدم اعتبار در بلادِ قریبہ ست نہ در بلاد قریبہ و نائیہ ہر دو۔ پس اہلِ پاکستان و اہل کیمپ رابر ؤیت عربستان اعتماد کردن خلاف فقہ حنفی ست[29]۔" ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: "یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ ظاہر الروایت اگرچہ مطلق ہے، لیکن حدیث صریح اور اجماع یہ ہے کہ مہینہ انتیس دن سے کم اور تیس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور یہ دونوں (حدیث، اجماع) ظاہر الروایت کے مقید ہونے کا تقاضا کرتی ہیں، إذا لم يستلزم عدم الاعتبار نقصان نقصان الشهرعن تسع وعشرين أوزيادته على ثلاثين. پس ظاہر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ اور تیسرے قول کا مآل ایک ہے، اور جو لوگ اس امر کے در پے ہیں کہ توحید الصوم والاعیاد ہونی چاہیے، تو یہ امر مطلوب نہیں ہے اور بلادِ اسلامیہ میں جو یہ اختلاف بین الناس واقع ہوتا ہے تو اس میں کوئی ضرر نہیں ہے[30]"۔ تقریباً یہی بات ہندوستان کے نامور مفتی حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ اپنے فتویٰ میں فرمائی ہے: "کسی جگہ کی شہادت (یا شرعی طریقہ کے مطابق موصول ہونے والی خبر) اسی وقت مقبول ہوسکتی ہے، جب کہ مہینہ انتیس، تیس کے درمیان دائر رہتا ہو۔ اگر اس شہادت یا خبر سے مہینہ اٹھائیس دن یا اکتیس دن کا لازم آتا ہو، تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوسکتی[31]۔ باقی ہم اوپر علامہ عثمانیؒ کی عبارت کے ذیل میں ذکر کرچکے ہیں کہ مہینہ کے منصوص و مقرر دنوں میں کمی وبیشی اُس وقت لازم آئے گی، جب ہم بلادِ بعیدہ میں بھی اختلافِ مطالع کو نظر انداز کرتے ہوئے معتبر نہ مانیں۔ ہندوستان کے محقق عالم دین مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہ بھی اسی رائے کے ہم نواؤں میں سے ہیں: "یہ بات عملی طور پر ایک طرح سے مسلم ہے کہ مقامِ رؤیت سے دور دراز کے شہروں میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہوگا۔ قریب کے مقامات میں نہیں[32]"۔

علمائے عرب کے فتاویٰ

سعودی عرب کے نامور عالمِ دین اور سابق مفتی اعظم عبد العزیز بن باز صاحب بھی ہر ملک کے لیے الگ رؤیت (اختلاف مطالع) کو سعودیہ کے کبار علماء کی مجلس کا متفقہ فیصلہ قرار دیتے، چنانچہ فتاویٰ ابن باز میں ہے: "قد صدر قرار من مجلس هيئة كبار العلماء في المملكة العربية السعودية بأن لكل أهل بلد رؤيتهم لحديث ابن عباس المذكور وما جاء في معناه"[33]. ''سعودی عرب کے ہیئت کبارالعلماء نے اس قرار داد کو منظور کیا ہے کہ ہر بلد کی اپنی رؤیت معتبر ہو گی، جس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اور اس کے ہم معنیٰ دوسری احادیث ہیں۔"

سعودی عرب ہی کے ایک دوسرے محقق "هيئة كبار العلماء" کے رکن اور نامور عالم دین محمد بن صالح عثیمین اختلافِ مطالع کو عقل و نقل کا تقاضا بتلاتے ہیں۔ نیز اس رائے کو کہ ہلالِ رمضان و عید میں مکہ مکرمہ کی مطلع کو تمام امت کے لیے مطلع تسلیم کیا جائے، فلکیات کی رُو سے محال قرار دیتے ہیں۔ سوال اور موصوف کا جواب ملاحظہ ہو: هناك من ينادي بربط المطالع كلها بمطالع مكة حرصاً على وحدة الأمة في دخول شهر رمضان المبارك وغيره فما رأي فضيلتكم؟

الجواب: هذا من الناحية الفلكية مستحيل لأن مطالع الهلال كما قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله تختلف باتفاق أهل المعرفة بهذا العلم، وإذا كانت تختلف فإن مقتضى الدليل الأثري والنظري أن يجعل لكل بلد حكمه"[34].

''اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء'' کے اراکین کا بھی متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ تمام مسلمانوں پر ایک ہی جگہ کی رؤیت لازم کرنے کی بجائے ہر ملک کو مقامی علماء کے صلاح و مشورے کے بعد اس حوالے سے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے: "نظرا إلى أن الاختلاف في هذه المسألة ليست له آثار تخشى عواقبها فقد مضى على ظهور هذا الدين أربعة عشر قرنا لا نعلم منها فترة جرى فيها توحيد الأمة الإسلامية على رؤية واحدة فإن أعضاء مجلس هيئة كبار العلماء يرون بقاء الأمر على ما كان عليه، وعدم إثارة هذا الموضوع، وأن يكون لكل دولة إسلامية حق اختيار ما تراه بواسطة علمائها من الرأيين المشار إليهما في المسألة إذ لكل منهما أدلته ومستنداته"[36]. ''اس بات کے پیشِ نظر کہ اس اختلاف (یعنی اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے نہ ہونے) کے کوئی منفی آثار نہیں، کیونکہ چودہ صدیاں گزرنے پر بھی ہم نہیں جانتے کہ ساری کی ساری امت کبھی ایک رؤیت پر متفق ہوئی ہو۔ چنانچہ ہیئتِ کبار علماء کی رائے یہ ہے کہ

اس معاملہ کو اس طرح چھوڑ دیا جائے اور اس موضوع کو اُچھالا نہ جائے اور یہ کہ ہر اسلامی ملک کو علماء کے توسط سے مذکورہ دو آراء میں سے کسی ایک رائے کو اختیار کرنے کا حق دیا جائے، کیونکہ ہر رائے کے دلائل و مستندات ہے۔"

''هيئة كبار العلماء'' اور ''المجمع الفقهي بمكة المكرمة'' سمیت متعدد فقہی مجالس کے رکن اور دسیوں کتابوں کے مصنف فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان حفظہ اللہ بھی اختلافِ مطالع کے قائلین میں سے ہیں۔ ایک سوال کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں: "الجواب: قال النبي صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فعلق صلى الله عليه وسلم وجوب الصيام برؤية الهلال وذلك يختلف باختلاف المطالع على الصحيح من قولي العلماء ولا شك أن المطلع في الجزائر يختلف عن المطلع في المملكة فكل إنسان يصوم مع أهل الإقليم وأهل البلد الذي هو فيه إذا رأوا الهلال ويفطر معهم فأنت حكمك حكم المسلمين الذين تسكن معهم في أي إقليم كان سواءً في الجزائر أو في غيرها تصوم معهم وتفطر معهم"(35).

"نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا:" صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته" اس ارشاد پاک میں نبی کریم ﷺ نے روزوں کے وجوب کو رؤیتِ ہلال کے ساتھ معلق کر دیا اور رؤیتِ ہلال علماء کے صحیح قول کے مطابق مطالع کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ " الجزائر" میں چاند کا مطلع "سعودیہ" کے مطلع سے مختلف ہے۔ پس ہر آدمی اس علاقے اور شہر والوں کے ساتھ روزہ رکھنے کا پابند ہے، جہاں وہ مقیم ہے۔ لہذا آپ "جزائر" یا اس کے علاوہ جس خطے میں بھی رہتے ہو تو آپ کا حکم بھی وہاں کے مسلمانوں والوں ہو گا۔ آپ کو انہی کے ساتھ روزہ رکھنا ہو گا اور اُنہی کے ساتھ افطار کرنا ہو گا۔"

خلاصہ بحث

زیر بحث مقالہ سے معلوم ہوا کہ رمضان اور عید کے اختلاف کی بنیادی وجہ اختلاف مطالع کے اعتبار اور عدم اعتبار میں ہے، اس میں تمام فقہاء کا آپس میں اختلاف رہا ہے۔ اگرچہ عند الاحناف مفتٰی بہ قول اختلافِ مطالع کے عدمِ اعتبار کا ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ اور دیگر متعدد حضرات نے اختلاف مطالع کے معتبر نہ ہونے کے قول کو مفتٰی بہ اور ظاہر الروایۃ قرار دیا ہیں۔ لیکن فقہائے احناف میں سے ایک اچھی خاصی تعداد نے فی الجملہ اختلافِ مطالع کو معتبر مانا ہے اور عملاً تو آج گویا سب ہی اسی راہ کو اختیار کیے ہوئے ہیں، اور متاخرین احناف اسی قول پر عمل کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے

امت مسلمہ اس رائے کو لے کر اس پر عمل پیرا ہے، اسی وجہ سے ان عبادات میں اختلاف ہونا کوئی خلاف عقل یا امتِ مسلمہ کے اتحاد میں پھوٹ ڈالنا نہیں بلکہ یہ ایک خالص فقہی اور علمی اختلاف مانا جائے گا۔

مصادر و مراجع

[1]۔ محمد شفیع، مفتی، رویت ہلال، ادارۃ المعارف، کراچی، 1973ء، ص22

[2]۔ ابن عابدین، محمد بن امین، ردالمحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، 1992ء، ج2، ص393

[3]۔ محمد زکریا کاندھلوی، مولانا، اوجز المسالک، دار القلم، دمشق، 2003ء، ج5، ص20

[4]۔ زیلعی، فخر الدین عثمان بن علی، تبیین الحقائق، المطبعۃ الکبریٰ، مصر، 1896ء، ج1، ص321

[5]۔ طحطاوی، احمد بن محمد، حاشیۃ الطحطاوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1997ء، ص656

[6]۔ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج2، ص393

[7]۔ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، ج2، ص393

[8]۔ شیخ زادہ، عبد الرحمٰن بن محمد، مجمع الانہر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، سطن، ج1، ص239

[9]۔ کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1986ء، ج2، ص83

[10]۔ زیلعی، تبیین الحقائق، ج1، ص321

[11]۔ خسرو، محمد بن فرامرز، درر الحکام شرح غرر الاحکام، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، سطن، ج1، ص201

[12]۔ عبد اللہ بن محمود موصلی، الاختیار لتعلیل المختار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، سطن، ج1، ص129

[13]۔ حوالہ بالا

[14]۔ ابو المعالی برہان الدین محمود بن احمد، المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2004ء، ج2، ص379

[15]۔ حوالہ بالا

[16]۔ شرنبلالی، حسن بن عمار، مراقی الفلاح، مکتبہ عصریہ، بیروت، 2005ء، ص244

[17]۔ طحطاوی، حاشیۃ الطحطاوی، ص656

[18]۔ سراج الدین عمر بن ابراہیم، النہر الفائق، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2002ء، ج2، ص14

[19]۔ سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، شرح النقایہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2005، ج1، ص412

[20]۔ ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن تیمیہ، مجموعۃ الفتاوی دار الوفا، بیروت، 2003ء، ج1، ص457

[21]۔ کشمیری، محمد انور شاہ بن معظم، العرف الشذی، دار التراث العربی، بیروت، 2004ء، ج2، ص145

[22]۔ عثمانی، شبیر احمد، فتح الملہم، دار الضیاء، بیروت، 2006ء، ج6، ص182

[23] ۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار طوق النجاۃ، بیروت، 2001ء، ج3، ص27، رقم الحدیث 1913 و نیشاپوری، ابوالحسن مسلم بن حجاج، الصحیح، داراحیاء التراث، بیروت، سطن، ج2، ص761، رقم 1080 و سجستانی، ابوداود سلیمان بن اشعث، السنن، مکتبہ عصریہ، بیروت، سطن، ج2، ص296، رقم 2319

[24] ۔ بخاری، الجامع، ج3، ص28، رقم 1914

[25] ۔ ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، السنن، دارالغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء، ج2، ص61، رقم 684

[26] ۔ بنوری، محمد یوسف بن محمد زکریا، معارف السنن، ایچ۔ایم، سعید، کراچی، 1992ء، ج5، ص340

[27] ۔ محمد شفیع، رؤیت ہلال، ص23

[28] ۔ مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، فتاوی بینات، مکتبہ بینات، کراچی، 2006ء، ج3، ص32

[29] ۔ محمد فرید، مفتی، فتاویٰ فریدیہ، حافظ حسین احمد صدیقی، زروبی، صوابی، 2009ء، ج4، ص66

[30] ۔ محمد فرید، فتاویٰ فریدیہ، ج4، ص91

[31] ۔ لاجپوری، سید رحیم، مفتی، فتاوی رحیمیہ، دارالاشاعت، کراچی، 2009ء، ج7، ص229

[32] ۔ مولانا برھان الدین سنبھلی، رؤیتِ ہلال کا مسئلہ: 136

[33] ۔ بن باز، عبدالعزیز بن عبداللہ، مجموع فتاوی، سطن، ج15، ص85

[34] ۔ محمد بن صالح، فتاوی ارکان الاسلام، دارالثریا للنشر والتوزیع، ریاض، 2003ء، ص452

[35] ۔ ابن فوزان، صالح بن فوزان، مجموع فتاوی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، سطن، ج2، ص388

[36] ۔ لجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیہ ولافتاء، فتاوی، ادارۃ العامۃ للطبع، ریاض، سطن، ج10، ص135